بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

شریکۃ الحسینؑ، ثانی زہرا حضرت زینبؑ کی عظیم و تاریخ ساز شخصیت کے بارے میں خامہ فرسائی کرتے وقت الفاظ اپنی معنویت کا اظہار کرنے سے معزور رہ جاتے ہیں اور سیرت و کردار کے ہمہ گیر پہلو کو پیش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو جاتا ہے۔

تاریخ و تحقیق کے شہسوار بھی اس بلند قامت عظیم المرتبت خاتون کی بے پناہ عظمت کو سلام کر کے تاریخ ساز جدوجہد کے پہلو نمایاں تو کرتے ہیں لیکن اپنی ندامت و کم مائیگی کا اعتراف کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ کربلا کو زینبؑ نے کربلا بنا دیا اور استعمار و استبداد کی بنیادیں رسن بستہ ہو کر بھی ہلا دیں اور مظلومیت کو ہتھیار بنا کر ظالم کو زمین بوس کرنے کا سلیقہ سکھا دیا۔

ادارہ ابوالفضل عباسؑ ماگام کشمیر اپنے اشاعتی سلسلہ کی ایک اور کڑی کے طور پر جید مفکر و دانشور ڈاکٹر پیامؔ اعظمی صاحب کے مضمون **"زینبؑ زینبؑ ھے"** کو بشکریہ ادارہ پیام امن نیو جرسی شائع کرنے کا افتخار حاصل کر رہا ہے۔ امید ہے کہ صاحبان نقد و نظر کی فکر و فہم میں وسعت و پذیرائی حاصل ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی توفیقات میں اضافہ کرے۔

جنرل سیکریٹری ادارہ

بسم تعالیٰ

زینبؑ زینبؑ ہے

ڈاکٹر پیامؔ اعظمی

میں سوچتا ہوں کہ تاریخ انسانی میں زینبؑ جہاں کھڑی ہیں وہاں خواتین عالم کے درمیان ان کی حیثیت کون سی ہے؟ جس طرح یورپ کے مشہور مفکر ''مائکل ہارٹ'' نے تاریخ پر اثر انداز ہونے والے سو عظیم انسانوں کو منتخب کر کے The Hundred کتاب لکھی اور اس کتاب میں مادی اور معنوی دونوں طرح تاریخ پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی شخصیت کی حیثیت سے پہلا نام یعنی سرفہرست ہمارے نبی کریمؐ کا نام لکھا۔

اسی طرح اگر میں تاریخ انسانی پر اثر انداز ہونے والی عظیم خواتین کی فہرست بناؤں! تو پہلا نام کس معظّمہ کا ہونا چاہئے؟ میرے سامنے حضرت حوّاؑ ہیں، حضرت سارہؑ ہیں، حضرت ہاجرہؑ ہیں، مادر موسیٰؑ ہیں، حضرت آسیہؑ ہیں، حضرت مریمؑ ہیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ ہیں، حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد ہیں اور حضرت فاطمہ زہراؑ بنت پیغمبرؐ ہیں۔ ان کے علاوہ بھی اسلامی اور غیر اسلامی تاریخ میں بہت سے نام ہیں۔ مگر زینبؑ کی جگہ سب سے الگ ہے۔

ام البشر حضرت حوّا یہ کہہ کر پیچھے ہٹ جائیں گی کہ میں نے وحش وطیور کے درمیان نوع انسانی کا پہلا گھر تعمیر کیا تھا۔ مگر حضرت زینبؑ نے ان انسان نما درندوں کے نرغے میں انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی حفاظت کی ہے جن کی پیاس سینکڑوں بے گناہوں کا خون پی کے بھی نہیں بجھتی، جو خود اپنے نبیؐ کے جگر بندوں کو ذبح کر کے اپنی خوں آشامی کا جوہر دکھاتے ہیں۔ میں نے گھر بسایا تھا، زینبؑ نے اپنا گھر لٹا کر قصر عظمتِ انسانی کو منہدم ہونے سے بچایا ہے۔ میں زینبؑ کے صبر و استقلال کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

حضرت سارہؑ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ جائیں گی کہ یقیناً میں خلیلؑ اللہ کی اس نسل کا سرچشمہ ہوں جس میں اسحاقؑ و یعقوبؑ و یوسفؑ جیسے انبیاءؑ پیدا ہوئے مگر مجھے نہ کسی آزمائش سے گزرنا پڑا نہ کسی ابتلا سے مگر زینبؑ نے تو ظلم وجور کے طوفان میں گھری ہوئی کشتی امامت کو پار لگایا اور اپنی نسل قربان کر کے اس نسل کی حفاظت کی جس میں کئی فخر ابراہیمؑ پیدا ہوئے جس کا آخری فرزند آج بھی موجود ہے۔نہیں میں زینب کبریٰؑ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

ہاجرہؑ آواز دیں گی کہ میں ایک اسماعیلؑ کی قربانی پر راضی برضائے الٰہی تھی، میری زینبؑ نے اپنے کئی اسماعیلوں کو قربان کر کے شکر کا سجدہ کیا ہے۔ میرا ایک اسماعیلؑ چند گھنٹوں کی پیاس سے بیتاب تھا اور میں کبھی صفا پر کبھی مروہ پر پانی کی تلاش میں دوڑ رہی تھی۔مگر زینبؑ کے کئی اسماعیلؑ کئی دن سے پیاسے تھے، وہ بھی پانی کی تلاش میں دوڑ رہی تھی۔کبھی اس خیمہ میں کبھی اس خیمہ میں۔

میرے بیٹے کے لئے آب زمزم ابلنے لگا مگر زینبؑ کے بیٹوں کی پیاس آب خنجر سے بجھائی گئی۔زینبؑ میری ہی بیٹی ہے۔میرا ہی خون اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہے مگر مجھ میں اس کے آگے کھڑے ہونے کی تاب کہاں؟

مادرِ موسیٰؑ فرمائیں گی!رضائے الٰہی میرے سامنے بھی تھی اور زینبؑ کے سامنے بھی۔میں نے اپنے ایک بچے کو موجِ آب کے حوالے کیا تھا اس یقین کے ساتھ کہ میرا بچہ مجھے واپس مل جائے گا مگر زینب کبریٰؑ نے تو اپنے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں کو موجِ خنجر وشمشیر کے حوالے کیا تھا۔اس یقین کے ساتھ کہ اب خون میں ڈوبی ہوئی لاشیں واپس آئیں گی۔

حضرت آسیہؑ کہیں گی!بے شک میں نے موسیٰؑ کی فرعون کے مظالم سے حفاظت کی ہے مگر زینبؑ نے ان ظالموں سے فخر موسیٰؑ سید سجادؑ کو بچا کے واپس مدینے پہونچا دیا جن کے

مظالم کے سامنے فرعون کے پسینے چھوٹ جائیں۔ میرا عزم زینبؑ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

حضرت مریمؑ کہیں گی کہ میں ایک مظلوم بیٹے کی ماں ہوں مگر زینب کبریٰؑ کی آغوش شہدائے راہِ الٰہی کی درسگاہ بن گئی تھی۔ مجھے ان سے ہمسری کی مجال کہاں؟

یقیناً پوری تاریخ انسانی کی عظیم خواتین کی فہرست میں پہلا نام فاطمہ زہرؑا کا ہے جس طرح تمام عالم انسانیت محمد مصطفیؐ کے مقدس نام سے معنون ہے۔ باپ خیر البشر بیٹی خیر النساء وہ سید البشر یہ سیدۃ النساء، وہ رسول اعظمؐ یہ بضعتِ رسول اعظمؐ نہ ان کا جواب نہ ان کا ثانی۔ مگر کردار فاطمہؑ بھی آواز دے رہا ہے کہ میں نے منفی قوتوں کا مقابلہ اس وقت کیا تھا جب وہ اپنی ابتدائی منزل میں تھیں مگر میری زینبؑ نے اُن منفی قوتوں کو اس وقت شکست دی ہے جب وہ اپنی آخری انتہا پر پہونچ چکی تھیں۔ میرا گھر جلانے کے لئے صرف ''آگ'' لائی گئی تھی۔ مگر میری بیٹی زینبؑ نے اُس آگ کے بھڑکتے شعلوں میں ڈوب کر قصرِ اسلام کو جلنے سے بچالیا۔ میں نے اربابِ حکومت کو علیؑ کے سامنے سے بیعت کا سوال واپس لینے پر مجبور کردیا تھا۔ مگر میں نے جس سوال بیعت کو پچاس سال پیچھے دھکیل دیا تھا زینبؑ نے اسے ہمیشہ کے لئے دفن کردیا۔ علیؑ کی حفاظت میں میرا پہلو زخمی ہوا مگر میری بیٹیؑ نے چوتھے علیؑ کی حفاظت میں جتنے زخم کھائے ہیں ان کا شمار احسب الحاسبین کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔ میں نے جب انحراف کا مقابلہ کیا تھا تو علیؑ میرے پشت پناہ تھے۔ میرے بچے مجھے سہارا دیتے تھے۔ میرا گھر آباد تھا۔ غیرتیں ابھی زندہ تھیں مسلمانوں کا ضمیر مردہ نہیں ہوا تھا۔ سلمانؓ وابوذرؓ، عمارؓ ومقدادؓ جیسے اصحاب رسولؐ مدینے میں موجود تھے۔ میرے ایک اشارے پر جان دینے والے زندہ تھے۔

مگر زینبؑ نے تو اپنے ارمانوں کے کھنڈر پر اپنی آرزوؤں کی خاکستر سے ایک نئی تاریخ بنائی ہے۔ ایک نئے عہد کی تعمیر کی ہے، ایک نیا دور عالم وجود میں لائی ہے۔ میں نے مسلمانوں کے دل ہلادئے تھے مگر زینبؑ نے تمام عالم اسلام کا مزاج بدل کے رکھ دیا اور مسلمانوں کی

نفسیات میں ایسا انقلاب پیدا کر دیا جو آج بھی باقی ہے۔ زینبؑ میرے ہی کردار کا دوسرا رُخ ہے، وہ ثانی زہرؑا، میں اس کی ابتداء وہ میری انتہا۔

ثانی زہرؑا، یادگار علیؑ، خاتون کربلاؑ، فاتح کوفہ وشام، شریکۃ الحسینؑ، تاجدار غم، ماں کی شان، باپ کا وقار۔ یہ القاب اور اس طرح کے سارے لقب جو ہم استعمال کرتے رہتے ہیں۔ کردار زینب کبریٰؑ کی وسعت اور تاثیر، گہرائی اور گیرائی کے سامنے پست قد نظر آتے ہیں

ہر لقب بالکل صحیح ہے مگر زینب کبریٰؑ کی شخصیت کا کینواس اتنا بڑا ہے کہ یہ القاب شخصیت کے کسی چھوٹے سے حصے پر روشنی ڈال کے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ سارے لقب مل کے بھی کردار زینبؑ کے پورے مفہوم اور معنویت کو اپنے حلقے میں سمیٹ لینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

آب گینے تندیٔ صہبا سے پگھل جاتے ہیں۔ الفاظ اپنی تنگ دامانی پر شرمندہ ہو کے منہ بند کر لیتے ہیں۔ تمثیلات کا دم ٹوٹ جاتا ہے، تشبیہات کی سانس اکھڑ جاتی ہے نہ اشارے کام آتے ہیں نہ کنائے۔ ذہن انسانی کردار زینبؑ کی عظمت اور اس کی بے پناہ قوت کا احساس تو کر لیتا ہے مگر اس احساس کو دوسروں تک پہنچائے کیسے؟ اظہار و ترسیل کیلئے نہ اسے لفظیں ملتی ہیں، نہ زبان و بیان کے پیانے کام آتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب تک اس موضوع پر کسی بھی زبان میں کوئی ایسی تحریر سامنے نہیں آئی جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ زینبؑ کی کردار نگاری کا حق ادا کر دیا ہے۔

زینبؑ اگر عصمت و طہارت اور صبر و ضبط کے دائرے میں فاطمہؑ نظر آتی ہیں تو ہمت و جرائت اور عظم و استقلال کی منزل میں حیدر کرارؑ دکھائی دیتی ہیں۔ بازار کوفہ میں خطاب کرتی ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ میدان صفین میں علیؑ بول رہے ہیں اور جب شام کے دربار میں زبان کھولتی ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ فاطمہ زہرؑا خلیفہ وقت سے گفتگو کر رہی ہیں

یقیناً زینبؑ شریکۃ الحسینؑ ہیں، مگر کب تک؟ جب تک حسینؑ موجود تھے۔ یعنی بس عصر عاشور تک۔ اس کے بعد تو زینبؑ بس زینبؑ ہیں۔ اکیلی اور تنہا نہ کوئی ان کا شریک نہ وہ کسی کی شریک۔

میں نے ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا اپنی زندگی کی پہلی نظم میں۔

نقیب فتح شہ مشرقین بن کے اٹھی نہ تھے حسینؑ تو زینبؑ حسینؑ بن کے اٹھی

اور غالباً ۱۹۶۹ء میں لکھا تھا۔

آئی تھی پردے میں جو بنت پیمبرؐ کی طرح کھل گیا سر تو اٹھی فاتح خیبر کی طرح

دوسرے شعرائے اہلبیتؑ بھی لکھتے رہتے ہیں کہ زینبؑ کہیں علیؑ نظر آتی ہیں کہیں فاطمہؑ، کہیں حسنؑ دکھائی دیتی ہیں کہیں حسینؑ، کبھی عباسؑ بن جاتی ہیں کبھی علی اکبرؑ۔ بلاشبہ زینب کبریٰؑ ایک شخصیت میں کئی شخصیتیں دکھائی دیتی ہیں۔ مگر جادۂ صبر و رضا میں بے شمار ایسے مرحلے بھی ہیں، جہاں زینبؑ نہ علیؑ ہیں نہ فاطمہؑ، نہ حسنؑ ہیں نہ حسینؑ، نہ عباسؑ نہ علی اکبرؑ۔ جہاں زینبؑ بس زینبؑ ہے۔ تنہا اور اکیلی۔ ایک ایسی شخصیت کی مالک جو کسی کی ثانی ہے نہ کوئی اس کا ثانی، جو کسی کی شریک ہے نہ کوئی اس کا شریک، جو کسی کی مثال ہے نہ کوئی اس کی مثال۔

روایتی طور پر میں بھی لکھ رہا ہوں کہ زینبؑ مرسل اعظمؐ جیسے نانا کی نواسی، علیؑ مرتضیٰ جیسے عظیم المرتبت باپ کی بیٹی، فاطمہ زہراؑ جیسی عظیم ماں کی لخت جگر، حسنؑ اور حسینؑ جیسے بھائیوں کی بہن، عصمت کی فضاؤں میں آنکھیں کھولی ہیں، معصوم آغوش میں پرورش پائی ہے، طیب و طاہر ہاتھوں نے پالا ہے، قرآن کی آیتوں نے لوریاں دی ہیں۔ زینبؑ کی عظمتوں کا ثبوت اس سے بڑا اور کیا ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ ان فضیلتوں میں دنیا کی کوئی خاتون زینب کبریٰؑ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ مگر یہ فضیلتیں نسبی ہیں۔ ذاتی نہیں اور وہیں کام آتی ہیں جہاں ذاتی فضیلتیں کم ہوں یا نہ ہوں۔

علامہ اقبالؒ نے فاطمہ زہراؑ کی شان میں جو مشہور و مقبول نظم لکھی ہے اس کا محور انھیں نسبتوں کو بنایا ہے۔

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز   از سہ نسبت فاطمہ زہراؑ عزیز

اور پھر اس شاہکار نظم میں۔ ''نور چشم رحمت اللعالمینؐ'' کہہ کے پیغمبر اسلامؐ کے فضائل کے حوالے سے......اور......'' بانوئے آن تاجدار لافتیٰ'' کہہ کے حضرت علیؑ کے ذریعے اور ......'' مادر آں کاروان سالار عشق'' کہہ کے امام حسینؑ کے حوالے سے فاطمہ زہراؑ کی مدح کی ہے......مگر اس نظم کی عظمت کے اعتراف کے ساتھ یہ ضرور کہوں گا کہ علامہ اقبالؒ ذرا ہمت کر کے تاریخ کا ورق الٹتے اور واقعات کی گہرائی میں اتر کے دیکھتے تو انھیں کہنا پڑتا کہ فاطمہ زہراؑ خود اپنی ذات میں بھی اتنی عظیم شخصیت کی مالک ہیں جو خود مذکورہ رشتوں کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔

زہراؑ کی طرح ثانی زہراؑ بھی......کربلا سے پہلے اپنے تعارف کے لئے مذکورہ نسبتوں کی محتاج تھیں مگر کربلا کے بعد خود اتنی بڑی شخصیت کی مالک نظر آتی ہیں کہ بڑی آسانی سے ان نسبتوں کا رُخ بدل کے کہا جا سکتا ہے کہ......مرسل اعظمؐ، زینبؑ جیسی تاریخ ساز نواسی کے نانا ہیں، علی مرتضیٰؑ زینبؑ جیسی عظیم المرتبت بیٹی کے باپ ہیں اور فاطمہ زہراؑ زینبؑ جیسی عہد آفریں بیٹی کی ماں ہیں اور حسنؑ اور حسینؑ زینبؑ جیسی انقلاب آفریں بہن کے بھائی ہیں۔

پیغبر اسلامؐ نے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔فرشتگانِ وحی نے اپنے پر سمیٹ لئے۔مسلمان دین اور دین کے محافظ کو جسدِ پیغمبرؐ کے پاس چھوڑ کے دنیا کے پیچھے دوڑ پڑے، دوڑے تو اس تیز رفتاری سے دوڑے کہ تمام اخلاقی قدریں کچلتی چلی گئیں۔لوگوں سے جبراً بیعت لی جانے لگی......تخویف وتحریص کے دروازے کھل گئے۔حکومت کوئی بھی ہو کیسی بھی ہو اللہ کے بندوں کے لئے کبھی رحم دل نہیں ہو سکتی، حکومتیں اپنی بات منوانے کے لئے تیغ وخنجر سے

دلیل اور دار و رسن سے ثبوت کا کام لیتی ہیں۔اس کے ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں سکوں کی تھیلی ہوتی ہے۔تلوار مخالفت کرنے والوں کے لئے اور تھیلی ہاں میں ہاں ملانے والوں کے لئے...... کسی نے انگلی اٹھائی تو ہاتھ کاٹ لیا۔کسی نے نگاہ تنقید ڈالی تو آنکھیں نکال لی گئیں......اور اگر......کہیں حکومت کو مذہبی تقدس بھی حاصل ہو جائے تو وہ قیامت کبریٰ سے کم نہیں...... کسی باضمیر انسان کا سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے......مسلمانوں کی اکثریت یہ بھول گئی تھی کہ اللہ نے انہیں دنیا پر حکومت کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی امامت کے لئے پیدا کیا تھا......حکومت، علیؑ کے مقابلے میں احساسِ کمتری کا بھی شکار تھی اور خوف زدہ بھی کہ کہیں علیؑ ہمارے خلاف اٹھ کے کھڑے نہ ہو جائیں۔اس لئے اربابِ حکومت نے یہ طے کر لیا کہ علیؑ سے جبراً بیعت لی جائے اور اگر بیعت نہ کریں تو ہارونِ محمدؐ کو ارتداد کا الزام لگا کے قتل کر دیا جائے مگر ان دونوں صورتوں میں اسلام کی موت یقینی تھی...... دینِ الٰہی کا تقاضہ تھا کہ علیؑ نہ بیعت کریں، نہ شہید ہوں بلکہ زندہ رہیں اور زندہ رہ کے دعوت و ہدایت کے انبیائی سلسلے کو منقطع نہ ہونے دیں اور طاقت کے استعمال کے بغیر امت کو اس انحراف کے ہولناک نتائج سے آگاہ کرتے رہیں۔

یہی وہ نازک مرحلہ تھا جہاں فاطمہؑ کے علاوہ کوئی دوسرا علیؑ کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔وہ بیٹی جسے پیغمبرؐ ماں کہتے تھے۔جس کے دروازے پر سلام کرتے تھے۔جس کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے۔جو اہل بیت پیغمبرؐ کا مرکزی کردار تھیں، زیر کساء بھی اور میدان مباہلہ میں بھی۔

بس فاطمہؑ اٹھیں اور اپنے آنسوؤں کا حصار علیؑ کے گرد کھینچ دیا۔فاطمہ زہراؑ کے کامیاب جہاد نے اربابِ اقتدار کو اتنا بے بس کر دیا تھا کہ انھیں مطالبہ بیعت واپس لینا پڑا اور چند دن پہلے گھر جلانے کے لئے جو لوگ آگ لے کے آئے تھے انھیں در فاطمہ زہراؑ پر معافی مانگنے کے

لئے حاضر ہونا پڑا......فاطمہؓ علیؓ کی زندگی کو محفوظ کر کے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

یہ تھی ابتدا جس میں جہاد راہِ الٰہی کی ''مشقِ سخن'' خود مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے کی گئی۔ سلسلہ آگے بڑھا'' تو ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں''......دو حربے عہد صحابہ کی زبردست ایجاد ہیں۔''فتوائے ارتداد''......اور......''خطائے اجتہادی''۔اربابِ خلافت سے جس نے بھی اختلاف کیا اس پر ارتداد کا الزام رکھا اور دائرہ اسلام سے باہر نکال کے قتل کر دیا۔ بڑے سے بڑا مجرم اگر ہم نوا ہے تو''خطائے اجتہادی'' کہہ کے اس کی عزت بھی بڑھا دی اور اس کا اختیار بھی۔ یہ تو مولا متقیانؑ کی فراست قرآنی تھی کہ ٹکراؤ کا موقع دیئے بغیر اپنا کام اور اسلام کی حفاظت کرتے رہے۔

اور پھر وہ دور شروع ہو گیا جسے مسلمانوں کی فاتحانہ تاریخ کا نقطہ عروج کہا جاتا ہے...... ممالک فتح ہونے لگے۔ ریاست کا دائرہ تیز رفتاری سے بڑھنے لگا۔ مدینے کی گلیاں مالِ غنیمت، سونے، چاندی، مال واسباب، غلاموں اور کنیزوں سے بھر گئیں، مسلمانوں نے سارا کام چھوڑ کے جہاد کرنا شروع کر دیا۔ جہاد چند گھنٹوں میں دولت مند بنانے والی اتنی بڑی انڈسٹری بن گیا کہ عرب کے یہودی اور عیسائی بھی مسلمان بنے بغیر مجاہد بن جانے لگے۔ مولانا شبلی نعمانی نے''الفاروق''میں لکھا ہے کہ:

حضرت عمر نے عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی مالِ غنیمت میں برابر کا حصہ دار بنا کے جہاد میں شامل کر لیا تھا۔

اس دور میں دولتمند بننے کا سب سے بڑا ذریعہ جہاد تھا۔اس زمانے میں مسلمانوں نے نہ پیداوار کا کوئی کارخانہ قائم کیا نہ کسی علمی درسگاہ کی تشکیل ہوئی، نہ کوئی تحقیقی ادارہ قائم ہوا، نہ تصنیف وتالیف کا کوئی مرکز بنا۔ نہ بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنایا گیا۔ نہ تجارت کی طرف کوئی راغب ہوا۔......بس جہاد زرخیز کام تھا۔عرب کے بدو بھی ہر جنگ کے بعد کسی نہ کسی علاقے

کے جاگیردار بن جاتے تھے...... بے شک بیت المال کی تعمیر ہوئی اور حضرت عمر نے کوفہ، بصرہ اور شام میں متعدد اور عالی شان فوجی چھاؤنیوں کی تعمیر کا کارنامہ انجام دیا۔

اس مادی ترقی کے ساتھ مسلمانوں کا ضمیر مرتا گیا۔ غیرت اسلامی مضمحل ہوتی گئی۔ دینی بے حسی بڑھتی گئی۔ اربابِ حق قتل ہوتے رہے اور مسلمان دیکھتے رہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ رسول اکرمؐ کے عظیم صحابی جو سابقون میں شامل تھے۔ بیوی اور بیٹی کے ساتھ جنگل میں پھنکوا دیئے گئے مگر مسلمانوں کی پیشانی پر غیرت کا پسینہ نہ آیا۔ حضرت عمارؓ شہید کر دیئے گئے۔ حضرت زیدؓ کوز دوکوب کیا گیا۔ حجر ابن عدیؓ کے جسم کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ مسلمان خاموشی سے دیکھتے رہے۔ اہلبیت پیغمبرؐ کی فریادصدا بہ صحرا بن گئی۔ سکوں کی جھنکار کے علاوہ مسلمان کچھ سننے کیلئے تیار نہیں تھا۔ حضرت علیؑ مسلمانوں کو پکارتے رہے مگر انھیں بھی ۴۰ ہجری میں شہید کیا گیا۔ ۵۰ ہجری میں امام حسنؑ کو بھی زہر دغا نے شہید کر دیا۔ اسی ماحول میں پچاس سال گزر گئے اب مسلمانوں کی بے حسی اور بے غیرتی اس منزل پر پہنچ گئی کہ یزید جیسا شراب خور، فاسق وفاجر، اخلاقی احساس سے محروم، عیش وعشرت کا دلدادہ اس بہت بڑی حکومت کا مطلق العنان حاکم بن گیا جس کی سرحدیں یورپ تک پھیل چکی تھیں۔ جس میں عرب، عجم ،افریقہ سبھی شامل تھے۔

اہلبیت پیغمبرؐ کا وجود شروع ہی سے حکومت کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ وہ اس کانٹے کو نکال پھینکنا چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا جب تک اہل بیتؑ بالخصوص حسینؑ اوران کی اولاد موجود ہیں۔ ان کا ڈھالا ہوا کوئی نہ کوئی کردار ابوذر غفاریؓ، میثم تمارؓ حجر ابن عدیؓ کی طرح اٹھتا رہے گا اور ہمارے اقتدار سے ٹکراتا رہے گا......اب حکومت کے پالیسی سازوں اور ''ڈپلومیسی'' کے ماہرین نے فیصلہ کر دیا کہ وقت آ گیا ہے کہ یزید اہل بیتؑ کا نام ونشان مٹادے۔ اب مسلمانوں میں نہ غیرت باقی ہے نہ ضمیر میں جان۔ اب یزید کے خلاف آواز بلند

کرنے والا کوئی نہیں۔ نہ مکے میں نہ مدینے میں، نہ شام میں نہ عراق میں کہیں نہیں۔ ایک کوفہ تھا جہاں کے لوگ حسینؑ کی حمایت میں کھڑے ہو سکتے تھے۔ سو ان کی ضمیروں کو بھی ابن زیاد کی تلواروں نے سلا دیا ہے۔ ابھی چند دن پہلے ان کو تجربہ ہو چکا ہے ۱۸ ہزار کوفیوں نے حسینؑ کے سفیر مسلم ابن عقیلؑ کی بیعت کی تھی مگر جب ابن زیاد کے سپاہیوں کے ہاتھ میں برہنہ تلواریں دیکھیں سب نے ابن زیاد کے سامنے سر اطاعت جھکا دیا حضرت مسلم ابن عقیلؑ تنہا شہید کر دیئے گئے۔

حسینؑ کا ساتھ دینے والا اب دنیا میں کوئی نہیں......یہی وقت ہے کہ بیعت کا بہانہ بنا کے حسینؑ اور ان کے اولاد، اقرباء سب کو ایک ساتھ تہ تیغ کر دیا جائے اور ان کی بہنوں اور بیٹیوں اور بچوں کو کنیز اور غلام بنا لیا جائے اور اس طرح اس کی تشہیر کی جائے کہ پھر کبھی کسی کو حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت نہ ہو سکے۔ تشدد اور بے رحمی کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں سب بروئے کار لائی جائیں۔ ان کا سارا مال واسباب مال غنیمت کی حیثیت سے لوٹ لیا جائے۔ اس خاندان کی عظمت، عزت وقار کو اس طرح زمین دوز کر دو کہ اس کے آثار بھی کہیں باقی نہ رہیں۔ حکومت کے بنائے ۱۰۰ مفتیوں نے حسینؑ کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔

بس پھر کیا تھا وہ سوال بیعت جسے فاطمہ زہراؑ نے پچاس سال پیچھے دھکیل دیا تھا ۶۱ ھ میں بے انتہا خونخوار اور ہولناک بن کے، ظلم و جور کی تمام مادی طاقتوں کے ساتھ فرزند رسولؐ حسینؑ کے راستے میں حائل ہو گیا......دس محرم کو کربلا کا میدان اولاد رسولؐ کے خون سے رنگین ہونے لگا۔

مسلمانوں میں احساسِ شرافت اس قدر مردہ اور غیرتیں اس قدر بے حس ہو چکی تھیں کہ حکومت کو خوش کرنے کے لئے ہزاروں ہزار مسلمان اپنے نبیؐ کے لخت جگر کو قتل کرنے کے لئے کربلا میں اکٹھا ہو گئے تھے جنہیں کوئی اسلحہ نہیں مل سکا تھا وہ ہاتھوں میں پتھر لے کے آئے

تھے...... عاشور کا سورج ڈوبنے سے پہلے کئی دن کی بھوک و پیاس میں حسینؑ اور حسینؑ کے ساتھی
ان کی گود کے پالے، بوڑھے، بچے، جوان سب قتل کر دیئے گئے۔ حد یہ ہے کہ شیر خوار بچوں پر
بھی رحم نہ کھایا گیا۔ گھر لوٹ لیا گیا، نبی زادیوں کے سر کی ردائیں تک چھین لی گئیں...... یتیموں
کے کانوں سے گوشوارے نوچ لئے گئے۔ فوجِ یزید میں فتح کے شادیانے بج رہے تھے کہ ایک
ظالم اپنی سپر اپنے ہاتھوں پہ اٹھائے ہوئے آواز دے رہا تھا! کہاں ہے ابن سعد؟ کہاں ہے
ابن زیاد؟ کہاں ہے یزید؟ بھر دے اسے زر و جواہر سے میں نے عین سجدے میں سجدہ گذار کا
سر کاٹا ہے...... ایک دوسرا شخص چیخ رہا تھا کہ یزید کے دربار میں گواہی دینا کہ میں نے حسینؑ کی
لاش پر اتنی بار گھوڑے دوڑائے ہیں کہ پسلیوں کی کوئی ہڈی سلامت نہیں رہنے دی ہے۔ مجھے
انعام چاہئے انعام   کیا ہوا اگر فاطمہ زہراؑ کی پسلیاں زخمی کرنے والا پس منظر میں رہ گیا...... یہ
منظر عام پر اعلان کرنے والا کس نظام کی اولاد ہے؟

زینبؑ کربلا میں

لڑائی ختم ہوگئی...... خاندان نبوتؐ کا خاتمہ ہوگیا۔ اب یزید جو مطلق العنان حکمراں تھا
مطلق العنان شارع اسلام بھی بن جائے گا۔

تمام ماہرین تاریخ عالم کو آواز دیجئے اور عاشور کے ڈوبتے ہوئے سورج کے وقت تاریخ
جہاں پہنچ چکی تھی وہاں انھیں کھڑا کر کے ان سے پوچھئے! آپ حضرات تاریخ کی نبض دیکھنے
والے ہیں ذرا بتائے کہ اب مسلمانوں کی تاریخ کدھر جائے گی؟ مجھے یقین ہے کہ سب ہم
زبان ہو کے کہیں گے...... اس میں سوچنا کیا ہے آنے والا عہد، یزید کا عہد ہوگا بلا شرکت غیرہ
بلاد اسلامیہ کا مالک ہوگا جو چاہے گا وہی ہوگا۔ کون ہے اس کا ہاتھ پکڑنے والا۔ مسجدیں شراب
خانہ بن جائیں گی، کعبہ میں لہو و لعب کی محفلیں آراستہ ہوں گی۔ وہ جس حرام کو چاہے گا حلال کر

دے گا جس حلال کو چاہے گا حرام کر دے گا...... حسینؑ کے ساتھ سب کچھ ختم ہو گیا...... اب نہ کہیں آوازِ حق بلند ہو گی نہ کوئی حق پرستوں کا ساتھ دینے والا پیدا ہو گا...... یہ عاشورہ محرم اسلام محمدؐ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ ذریت ابراہیمؑ کی امامت کی تاریخ کربلا میں ختم ہو گئی۔ اب تاریخ یزید کے اشاروں پر اپنا سفر طے کرے گی۔ ہو چکا جو کچھ ہونا تھا۔ یہ بیبیاں جن کے بچے، بھائی، بھتیجے، بھانجے خون میں ڈوبے پڑے ہیں یہ کیا کر لیں گی۔ کچھ تو خیمے میں جل جائیں گی جو بچ جائیں گی راستے میں دم توڑ دیں گی۔ ایک بیمار ہے وہ طوق گراں اور خاردار بیڑیوں میں کب زندہ رہے گا۔ کہیں دم توڑ دے گا پھر اسے اور ان بیبیوں کو جلتے ہوئے خیمے سے نکالے گا کون؟ جن کا سب کچھ لٹ چکا ہے انھیں اپنی زندگی کی حفاظت کا ہوش کہاں؟

اب انہیں نہ زندگی کی ضرورت ہے نہ زندگی سے محبت!

مگر دیدۂ تاریخ نے حیرت سے دیکھا کہ آفتاب کی طرح روشن چہرے والی ایک بی بی جلتے ہوئے خیموں سے طلوع ہوئیں اور دوڑ دوڑ کے بیواؤں، یتیموں کو آگ سے بچا بچا کے باہر لا کے جلتی ہوئی ریت پر بٹھا رہی ہیں۔ اس خوفناک لمحہ میں شریعت کا قانون پوچھ کے امام وقت کا تعارف کرا رہی ہیں۔ بیمار سید سجادؑ کو پشت پر اٹھا لائیں اور خاک پر لٹا دیا...... اللہ! یہ کتنے بڑے دل کی خاتون ہے کہ ایک بچے کو بھی جلنے نہیں دیا۔ معمولی آتش زنی میں بھی دو ایک انسان عموماً جھلس جاتے ہیں جبکہ آگ بجھانے والے موجود ہوتے ہیں یہاں تو آگ لگانے والے ہیں بجھانے والا کوئی بھی نہیں۔ مگر اس نے تو سب کو بچا لیا انھیں بھی بچا لیا جنھیں زندہ رہنے کی خواہش نہیں۔ خود اپنے غموں کی آگ میں جن کے کلیجے سلگ رہے ہیں انھیں خیموں کی آگ کا ہوش کہاں؟ یہ کون ہے؟ اس سے پہلے تو اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا...... چہرے پر کیسا جلال ہے۔ کیا دبدبہ ہے کیسا اطمینان ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ نہ آنکھ میں آنسو ہیں نہ ہاتھوں میں لرزش ہے، نہ پاؤں میں کپکپاہٹ ہے...... ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں مگر دریا کی طرف نہیں

دیکھ رہی ہے۔ گود کے پالوں کی لاشیں خون میں ڈوبی ہوئی پڑی ہے مگر اس کی ساری توجہ سید سجادؑ کی طرف ہے۔

رات اندھیروں میں ڈوب چکی ہے۔ فوج یزید فتح کا جشن منانے میں کھوئی ہوئی ہے۔ شراب کے ساغر کھنک رہے ہیں اسے ہوش کہاں کہ وہ دیکھے کہ تاریخ انسانی کی واحد خاتون ہے جو اپنے ارمانوں کی لاش پر کھڑی ہوئی کئی اجڑے ہوئے گھروں کی نگہبانی کر رہی ہے......کون ہے یہ بی بی؟ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی زینبؑ کبریٰ ہیں......کبھی اس بی بی کے پاس کبھی اس بی بی کے پاس، کبھی بیمار بھتیجے کے پاس کبھی یتیموں کے پاس......ایسا لگتا ہے کہ کوکھ جلی ماؤں کے ٹوٹے ہوئے حوصلوں کو جوڑ رہی ہے۔

چہرے کا دبدبہ کہہ رہا ہے کہ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی ہے۔ جلالِ رُخ آواز دے رہا ہے کہ حکومت کے پالیسی سازوں کے سارے اندازوں کو الٹ کے رکھ دے گی۔ یہ میرے لئے شامِ غریباں ہے......مگر اس نظام کی آخری رات ہے جس نے یزید جیسے فاسق و فاجر کو مسلمانوں کے سر پر بٹھایا ہے......کل کا دن ایک نئی تاریخ کا پہلا دن ہوگا۔ علیؑ کی یہ مظلوم بیٹی یہی نہیں کہ نیا عہد عالم وجود میں لائے گی بلکہ عالم انسانیت کا مزاج اور کبھی مسلمانوں کے نفسیات بدل دے گی......کل کا نکلنے والا سورج عظمت محمدؐ وآل محمدؐ کا آفتاب بن کے نکلے گا جو پھر کبھی غروب نہیں ہوگا۔

گیارہ محرم کی صبح صادق نمودار ہو چکی ہے۔ غمزدہ بیبیاں اپنے جگر بندوں کی لاشوں کے درمیان نمازِ صبح ادا کر رہی ہیں۔ سید سجادؑ سجدے سے سر اٹھا چکے ہیں۔ زینبؑ جو رات بھر نہ لیٹی ہیں نہ بیٹھ کے دم لیا ہے۔ نماز ادا کر کے فوج یزید کی طرف دیکھ رہی ہیں۔ بے کجاوہ اونٹ لائے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ ہاتھوں میں طوق، ہتھکڑیاں اور بیڑیاں لئے ہیں کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں رسیاں ہیں۔ زینبؑ سمجھ گئیں کیا ہونے والا ہے...... بیمار بھتیجے کے قریب پہونچی اور

سرگوشیوں میں کہا بیٹا! طوق اربابِ حق کے گلے کا ہار ہے۔ ہتھکڑیاں ارادی ضمیر کا پیغام ہیں بلا کسی مزاحمت کے پہن لینا! ظالموں کو قتل کا کوئی بہانہ نہ ملنے پائے۔ تم نہ رہے تو دنیا فنا ہوجائیگی۔ بی بیوں کے پاس گئیں اور سمجھایا کہ کلائیاں آگے بڑھا دینا۔ ظلم اپنے آخری انجام کو پہونچنے والا ہے۔

زینبؑ کوفہ میں

بازارِ کوفہ سجایا گیا ہے۔ راستے آراستہ کئے جا چکے ہیں۔ درودیوار پر سرخ پرچم لہرا رہے ہیں۔ لوگ زرق برق لباسوں میں قیدیوں کا تماشہ دیکھنے کے لئے اکٹھا ہو رہے ہیں۔ جگہ جگہ کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کی جارہی ہیں۔ حکومت کی طرف سے عید منانے کا اعلان کیا گیا ہے۔

ناگہاں باجوں کا شور سنائی دیا...... پھر لوگوں نے دیکھا کہ قیدیوں کا قافلہ اس شان سے آرہا ہے کہ سب سے پہلے لال جھنڈے لئے ہوئے سینکڑوں پرچم بردار ہیں۔ ان کے پیچھے شادیانے بجانے والے ہیں، ان کے پیچھے برہنہ تلواریں لئے فوج یزید کے سپاہی ہیں۔ اس کے بعد نیزوں پر شہیدوں کے کٹے ہوئے سر ہیں، اس کے بعد سید سجادؑ ہیں۔ طوق کے بوجھ سے گردن جھکائے ہاتھوں سے زنجیر سنبھالے جن میں بیڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے بے کجاوہ اونٹوں پر بے پردہ بیبیاں بیٹھی ہوئی ہیں ان میں سب سے آگے کے اونٹ پر زینب کبریٰؑ سر جھکائے بیٹھی ہیں کلائیاں رسیوں سے بندھی ہیں۔ اس کے بعد اونٹوں پر یتیم بچے بندھے ہوئے ہیں اِدھر اُدھر دونوں طرف تازیانہ بردار ہیں جو قیدیوں کو فریاد کرنے سے روکنے کے لئے تازیانہ لہرا رہے ہیں...... قیدیوں میں خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ کمسن بچے بھی آہ کرنے سے ڈرتے ہیں۔

دس ہزار شمشیر بردار شہر کی حفاظت پر مامور تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نہا دھو کر نیا عمامہ نئی قبا اور عبا پہن کے خوشبو لگا کے قیدیوں کا منظر دیکھنے کے لئے ہودج میں بیٹھ کے باہر نکلا اور اپنی طاقت اور حکومت پر نازاں اور اہل بیت رسولؐ کو خروجی اور باغی کہہ رہا تھا...... لوگ قہقہے لگا رہے تھے البتہ کہیں کہیں سے رونے کی گھٹی گھٹی سی آوازیں بھی سنائی دیتی۔ ایسا لگتا تھا کہ کچھ لوگ اہل بیتؑ کی بے کسی پر رو رہے ہیں مگر یزید اور ابن زیاد کے خوف سے آواز گریہ کو نکلنے نہیں دیتے۔

قافلہ قلب شہر پہونچا تھا کہ ایک کمزور و نحیف اور ستم رسیدہ زینب کبریٰؑ کے رسن بستہ ہاتھ بلند ہوئے۔ جیسے کہہ رہے ہوں! بس اب خاموش ہو جاؤ پھر تو ایسا لگا کہ زمین نے اپنی گردش بند کر دی ہو، لوگوں کی سانسیں رک گئی ہوں اور اس ہاتھ کی ایک جنبش نے پورے مجمع کو اسیر کر لیا ہو۔ جی چاہتا ہے کہ علامہ ریاضؔ بنارسی کی ایک عبارت نقل کر دوں۔

''اب دیکھو کہ جس وقت تماشائی اسیروں کے شکستہ چہرے فریادی صورتوں اور ملتجیانہ لہجے کی امید کرتے ہوں گے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اونٹ پر سے ایک ہاتھ اٹھا۔ جس کا اشارہ ہے کہ چپ رہو...... چہرے پر نگاہ جاتی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ ایک بے جنبش غیر متاثر ناقابل شکست صورت سامنے ہے۔ جس کے بشرے کی بلندی، نگاہ کا تحکم اور لہجہ کی قوت، خموشی چاہ رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی فوراً صدائیں ڈوب جاتی ہیں۔ حیرت واستجاب لوگوں کو مخاطب کر لیتا ہے اور دفعتاً کوفہ کا وہ حصہ جو زینبؑ کے سامنے تھا شہر خموشاں بن جاتا ہے۔ خاموشی ایسی کہ اونٹوں کی گھنٹیوں کی صداؤں پر خاموشی چھا گئی؟...... نہیں۔ بلکہ حضرت زینبؑ علیا مقام کا ''ارادہ'' اور اس کے پیچھے ان کے عظیم الشان نفس کی قوت تھی۔ جس نے حتمی فیصلہ کیا تھا کہ ہم کچھ کہیں گے...... یہ ارادہ...... ایک بجلی تھی جو دوڑ رہی تھی لوگ مسحور تھے۔ ممکن نہ تھا کہ لوگ متوجہ نہ ہوتے۔ علیؑ کی بیٹی کا ''نفس'' مجمع پر چھا گیا تھا۔

(شہیداعظم جلددوئم ،صفحہ/۸۶۲)

زینبؑ بول رہی تھیں، الفاظ بجلیاں بن کے مجمع پر برس رہے تھے۔ابن زیاد نے ایک مرتبہ چیخ کے کہا! مت سنواس کی بات یہ بہت بڑی خطیبہ اور بہت بڑے خطیب کی بیٹی ہے...... مگراس کی بات ہواؤں میں گم ہوگئی۔وہ گھبرا کے دارالامارہ میں واپس چلا گیا۔

زینبؑ بول رہی تھی......''اے اہل کوفہ! اے اہل مکر ودغا۔تم نے پیغمبر اسلامؐ کے کلیجے کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔تم نے وہ حادثۂ عظیم برپا کیا ہے جس کے لئے زمین وآسمان کی فضائیں تنگ ہوگئیں۔اس مہلت پر مغرور نہ ہوجاؤ۔ یہ خون نہ پامال ہوگا نہ ضائع۔عذاب خدا تمہارے تعاقب میں ہے......الخ''

فصاحت وبلاغت میں ڈوبے ہوئے زینبؑ کے ان فقروں کی تشریح انسانی ذہن کے بس میں نہیں......علیؑ وفاطمہؑ کے علاوہ زینبؑ کو داد خطابت کون دے سکتا ہے؟ البتہ وقت کے علیؑ نے بس اتنا کہا...... پھوپھی اماں! آپؑ عالمہ غیر معلّمہ ہیں۔

زینبؑ بول رہی ہیں اور کوفہ زینبؑ کے قبضہ میں ہے......لہراتے ہوئے تازیانے ہاتھوں سے چھوٹ کے زمین پر گر چکے ہیں۔شرم وندامت سے گھبرا کے فوجوں نے درے پھینک دیئے ہیں۔ جو کوئی قتل حسینؑ میں شامل تھے عورتوں کے طنز سے بچنے کے لئے گھروں میں چھپ کے بیٹھ گئے۔تلواریں نیام میں ہیں سر جھکے ہوئے ہیں۔ نئے کپڑے پہن کے تماشہ دیکھنے کے لئے آنے والوں نے گریباں چاک کرڈالے اور کپڑے پھاڑ دیئے ہیں۔عورتوں نے اپنے سروں سے چادریں پھینک دی ہیں۔ درودیوار سے رونے کی آواز بلند ہورہی ہے۔ لوگ سروسینہ پیٹ کے ماتم کررہے ہیں۔کتنوں نے دیواروں سے سر ٹکرا کے سروں کو زخمی کیا ہے......فوجِ یزید کے نقارے گونگے ہوچکے ہیں۔اس وقت اگر زینب کبریٰؑ ہلکا سا اشارہ بھی کردیتیں۔تو لوگ دیوانہ وار دارالامارہ کو منہدم کر کے ابن زیاد اور ابن سعد کا کام تمام کردیتے۔

اگر امامت کو حکومت کی ضرورت ہوتی تو سید سجادؑ یہ کہنے کے بجائے کہ! پھوپھی اماں خاموش ہو جایئے ورنہ لوگ اپنی جانیں دے دیں گے۔ یہی کہتے کہ پھوپھی اماں یہ مجمع آپ کے قبضہ میں ہے لوگ جان دینے کی قسم کھا رہے ہیں۔ ان سے کہئے کہ تخت حکومت الٹ دیں۔

مگر الٹ دیا زینبؑ نے تخت حکومت، سیاسی معنوں میں نہیں بلکہ اخلاقی معنوں میں......نہ جانے کتنوں نے اپنی جانیں دے دیں۔ ابومخنف کی روایت کے مطابق رسولؐ کے نابینا صحابی عبداللہ بن عفیفؓ جنھوں نے زینب کبریٰؑ کی آواز سن کے اپنی بیٹی سے کہا تھا۔ یہ تو علیؑ بول رہے ہیں۔ پھر بیٹی کے ساتھ آئے اور قیدیوں کے بیچ میں کھڑے ہو کے ماتم کرنا شروع کر دیا۔ کہتے جاتے تھے زمین کیوں نہ پھٹ گئی، آسمان کیوں نہ الٹ گیا؟ علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹیاں کنیزوں کی طرح قیدی بنالی گئیں۔ حکومت کی ہمت نہ ہوئی کہ انھیں سر عام قتل کرتی جبراً انھیں ان کے گھر پہونچا دیا گیا البتہ آدھی رات کو ابن زیاد کے سپاہیوں نے شب کے سناٹے میں ان کے گھر پر حملہ کر دیا۔ نبیؐ کا صحابی تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ بیٹی ظالموں کی نشاندہی کرتی رہی اور بوڑھے صحابی کی تلوار چلتی رہی۔ کئی لعینوں کو قتل کر کے خود شہید ہو گئے۔

اعثم کوفی، ابن خلدونؔ اور لہوف وغیرہ کی روایت:

پسر سعد کو ہوش آیا اس نے گھبرا کے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ قیدیوں کو بازار سے جلدی نکال کے ابن زیاد کے دربار میں پہونچا دو ورنہ کوفے میں قیامت آجائے گی۔

ابن زیاد میں اب اتنی طاقت کہاں رہ گئی تھی کہ سید سجادؑ کو شہید کرتا۔ وہ جان چکا تھا کہ اگر سید سجادؑ پر ایک تلوار بلند ہوئی تو اہل کوفہ کی لاکھوں تلواریں دارالامارہ پر ٹوٹ پڑیں گی۔ اعثم کوفی نے لکھا ہے کہ ابن زیاد گھبرا گھبرا کے کہتا تھا۔ ان قیدیوں سے مجھے بچاؤ! ان قیدیوں سے مجھے بچاؤ! لے جاؤ انھیں دمشق میں انھیں یزید کے حوالے کر دو اگر یہ کوفہ میں رکے تو حکومت کی دھجیاں اڑ جائیں گی۔

۱۲محرم کو قافلہ اہلبیتؑ کوفے سے دمشق کی طرف روانہ ہوا مگر لشکر یزید میں اب نہ وہ جوش تھا نہ وہ خروش۔ فوجیں آدھی ہو چکی تھیں۔ تازیانے ہیں مگر حرکت کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ قاتلانِ حسینؑ ساتھ ہیں مگر اپنا تعارف کراتے ہوئے شرمانے لگے ہیں۔ طبل جنگ ہیں مگر بجنے کی ہمت نہیں۔ خطبہ زینبؑ کی صدائے بازگشت دور دور تک کی بستیوں تک پھیل چکی ہے۔ بقول ریاضؔ بنارسی ایسا لگتا ہے کہ!

''ایک آگ ہے آسمانی فرشتے جسے ہوا دے رہے ہیں..... جس میں یزید کے اجداد کی ہڈیاں سلگ رہی ہیں۔'' یزید کے سپاہی سہمے ہوئے ہیں۔ دخترانِ حیدر کرارؑ کے چہروں پر نظر ڈالنے کا بھی کسی میں حوصلہ نہیں۔ کوفے سے دمشق تک کا راستہ بقول ابن اثیؔر تیرہ (۱۳) دن میں طے ہوا۔ روضۃ الشہداء کے بیان کے مطابق اس قافلہ کو شام کے علاقے کی جن بستیوں سے گزرنا تھا۔ ان بستیوں میں یا یہودی آباد تھے یا عیسائی یا پھر ناصبی مسلمان تھے جن کے دلوں میں یزید کے باپ نے اہل بیتؑ کی دشمنی بھر دی تھی۔ یہ وہ مسلمان تھے جو حضرت علیؑ کو گالیاں دیتے تھے۔ جنہیں علیؑ و پیغمبرؐ کے رشتے کا بھی صحیح علم نہیں تھا۔ شام کا پورا علاقہ شیعوں سے بالکل خالی تھا۔ مگر زینبؑ کی تقریر اور اہل بیتؑ کی مظلومیت نے ان بستیوں میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ یہ قافلہ تکریتؔ سے گزر کے اعمیٰ آیا وہاں دیرعروہ ہوتے ہوئے صلیتاؔ پہونچا جہاں کے لوگوں نے انھیں بستی میں داخل نہ ہونے دیا۔ پھر وادی نخلہ میں قیام اور رات گذاری وہاں سے گذر کے لیناؔ کے قریب پہونچے۔ یہ ایک شہر تھا قافلہ یہاں رکنا چاہتا تھا مگر شہر کے مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اپنے ہاتھوں میں پتھر لئے ہوئے نکل آئے سب حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر صلواۃ بھیج رہے تھے۔ اور ان کے قاتلوں پر لعنت کر رہے تھے اور سب ہم آواز ہو کے کہہ رہے تھے اے قاتلانِ اولادِ انبیاء ہمارے شہر میں اپنے منحوس قدم نہ رکھنا نکل جاؤ یہاں سے۔ وہاں سے بھاگ کے یہ قافلہ موصلؔ آیا اور حاکم موصل کو اطلاع دی کہ ہمارے

پاس حسینؑ کا سر ہے۔اس نے شہر کوسجایا کئی میل آگے بڑھ کے قاتلانِ حسینؑ کا استقبال کیا اسکے ساتھ شہر کے لوگ بھی تھے انھوں نے پوچھا کہ کس کا سر ہے۔حاکم موصل نے جواب دیا کہ ایک خارجی کا سر ہے جس نے یزید سے بغاوت کی تھی مگر اس مجمع میں ایک بوڑھا اٹھ کے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ یہ حسینؑ ابن فاطمہؑ بنت رسولؐ کا سر ہے۔ یہ قیدی اہل بیتِ رسولؐ ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ چالیس جوان تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے کہ ہم سرِ حسینؑ کو فوج یزید سے چھین کے دفن کریں گے چاہے ہماری جانیں چلی جائیں۔ یہ دیکھ کے یزیدی قافلہ اسیرانِ اہلبیتؑ کو لے کے آگے بڑھ گیا اور موصل کے قریب مشہد نقطہ پہونچا وہاں کے لوگوں نے رسد کا انتظام کر دیا مگر شہر میں جانے نہ دیا۔صحرا میں قافلہ ٹھہراااور سرِ حسینؑ جہاں رکھا گیا تھا آج وہ جگہ زیارت گاہ بن چکی ہے۔روز عاشورہ لوگ آج بھی وہاں آتے ہیں۔ یہ سب عیسائی اور یہودی تھے جنھیں صدائے زینبؑ نے مسلمان بنادیا......پھر مندینؔ پہونچے وہاں کے لوگوں نے اپنے دروازے بند کر لئے۔لوگ قاتلوں پر لعنت کے ساتھ پتھر پھینک رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اے فاسقو اور فاجرو تم ہمارے شہر میں نہ داخل ہوسکو گے۔

اس کے بعد معرۃ العمان آئے یہ ناصبیوں کا شہر تھا۔دروازے کھول دیئے گئے یزیدیوں کا استقبال کیا گیا۔ پھر شیرازؔ و کی طرف گئے مگر لوگوں نے شہر میں نہ داخل ہونے دیا۔لشکر یزید وہاں سے بھاگ کر کفر طابؔ کی طرف بڑھا یہ ایک چھوٹا سا قلعہ تھا مگر اہل قلعہ نے دروازے بند کر لئے اُس وقت خولی نے ان سے کہا کیا تم ہماری اطاعت میں نہیں ہو؟ ہمیں پانی پلاؤ ان عیسائیوں نے کہا کہ ہم تمہیں پانی نہیں پلا سکتے تم نے حسینؑ اور ان کے بچوں کو پیاسا شہید کیا ہے......وہاں سے فوج یزید سیبورؔ پہونچی اور چاہا کہ وہاں قیام کریں مگر وہاں کے نوجوان اٹھ کھڑے ہوئے، پُل کاٹ دیا اور فوجِ یزید پر حملہ کر دیا جنگ ہوئی یزید کے لشکر کے چھ سو آدمی مارے گئے۔اہل سیبورؔ کے پانچ آدمی شہید ہوئے...... راستے میں کئی جگہ یہودیوں اور

عیسائیوں نے فوج یزید سے مقابلہ کیا۔کئی بستیاں مسلمان ہوگئیں۔کئی رہبان رہبانیت چھوڑ کر اہل بیتؑ کے ساتھ ہوگئے۔ان لوگوں نے اب تک اسلام کے نام پر ظلم ودہشت گردی کا مکروہ چہرہ دیکھا تھا۔انھوں نے آنسوؤں سے دھلی ہوئی مظلومیت کے آئینے میں رحم وکرم،صبر وشکر اورعدل وانصاف کا چہرہ دیکھا تو مسلمان ہوگئے۔آج شام کے علاقوں میں شیعوں کی جوآبادی ہے وہ اسی قافلہ اسیران اہلبیتؑ کی رہین منت ہے۔گویا قافلہ زینبؑ کی گرد کارواں،لوگوں کے لئے سرمۂ چشم معرفت بن گئی۔

چاروں طرف سے بغاوت کی خبروں نے یزید کے ہوش اڑادیئے تھے۔اس نے حکومت اموی کی لاج رکھنے کے لئے حکم دیا کہ دربار خوب سجایا جائے۔شہر کے لوگوں کو اتنی شراب پلائی جائے کہ حق وباطل کی تمیز مٹ جائے۔لوگوں میں مال وزر اور کھانے پینے کی چیزیں تقسیم کی جائیں۔قیدیوں کے قافلے کو روک کے پھر سے آراستہ کیا جائے۔اہل بیت پیغمبرؐ کو کنیزوں اور غلاموں کی طرح رسیوں سے باندھ کے دربار میں لایا جائے اور ان کی توہین اور اذیت کا کوئی طریقہ نہ چھوڑا جائے۔فتح کے نقارے بجائے جائیں۔سرخ پرچم لہرائے جائیں۔اور جب تک دربار نہ سج جائے اور باہر سے عمائدین واکابرین کرسیوں پر نہ بیٹھ جائیں اسیروں کو دھوپ میں کھڑا رکھا جائے تاکہ ان کے اندر جو قوت گویائی اور حوصلوں میں زندگی باقی ہے وہ بھی ختم ہوجائے۔

پھر وہ وقت آہی گیا کہ اہل بیتؑ دربار میں لائے گئے۔ایک رسی میں بچے بندھے ہوئے ہیں ،ایک رسن میں مخدرات عصمت اسیر ہیں۔آگے آگے سید سجادؑ طوق وزنجیر سنبھالے ہوئے۔برہنہ شمشیریں لئے ہوئے یزید کے فوجی انھیں اپنے حلقے میں لئے ہیں یزید زرنگار مسند پر بیٹھا ہے۔مختلف ملکوں کے عمائدین کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔دور شراب چل رہا ہے۔

زینبؑ دربار یزید میں

اور پھر یزید کے سامنے قیدیوں کو کھڑا کر دیا۔زینبؑ کو دوسری بیبیوں نے اپنے حلقے میں لے لیا...... انتہائے ظلم ......اور انتہائے مظلومیت کی دونوں شکلیں پوری وضاحت سے دنیا کے سامنے تھیں......صاحب لہوفؔ نے لکھا ہے یزید نے نگاہیں اٹھائیں اور پوچھا یہ خاتون کون ہے؟ جو دوسری عورتوں کے حلقے میں کھڑی ہے؟ کسی نے جواب دیا، زینب کبریٰؑ بنت علیؑ ہیں...... یزید نے کہا! اے علیؑ کی بیٹی اللہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اس وقت چہرہ زینبؑ پر جلالِ حیدری نمودار ہوا اور اس مظلومہ نے وہ یادگار خطبہ ارشاد فرمایا، جس نے صرف دربار کو ہی نہیں بلکہ پورے دمشق میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ پورا خطبہ نقل کرنے کی گنجائش نہیں چند فقرے بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

درود و سلام کے بعد آیت تلاوت کی: لَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِیْ الْاَرْضِ وَمَا وٰھُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُہ (سورہ نور/۵۷)

خبردار یہ خیال نہ کرنا کہ کفر اختیار کرنے والے زمین میں ہم کو عاجز کر دینے والے ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین انجام ہے۔

پھر کہا! یزید! تیرا گمان ہے کہ تو نے زمین و آسمان ہم پر تنگ کر دیا۔ ان لوگوں سے اور کیا امید ہو سکتی ہے جنھوں نے پاکبازوں کا جگر چبایا ہو۔ شہدائے راہِ الٰہی کا خون جن کی غذا ہو ۔میرے جد امیر حمزہؓ کے گوشت کے ریشے تیرے دانتوں میں پھنسے ہونگے۔ تو اپنے بزرگوں کو کیوں آواز دیتا ہے عنقریب تو بھی وہیں جائے گا جہاں وہ ہیں۔ تو مومنین کی گردنوں پر مسلط نہ رہ سکے گا۔ جلد ہی تجھے معلوم ہو جائے گا کہ ظالموں کی سزا کیا ہے۔ اگر چہ میں مصیبت زدہ قیدی ہوں لیکن تجھے اس قدر حقیر اور ذلیل سمجھتی ہوں کہ تجھے نصیحت بھی نہیں کرنا چاہتی......تو مکر کر کے جو کر سکے اور ظلم کر جتنا تجھ سے ہو سکے۔ بخدا تو نہ ہمارے ذکر کو مٹا سکتا ہے نہ ہمارے شریعت کو ضائع کر سکتا ہے۔ نہ ہماری ابدی عظمت کو ختم کر سکتا ہے۔ تو طوق لعنت کو اپنے گلے سے کبھی نہ اتار سکے

گا۔خدا کاشکر کہ نیکی اور شرافت ہماری ابتدااور رحمت وشہادت ہماراانجام ہے......الخ۔

ادھر زینب کبریٰؑ نے خطبہ ختم کیا،ایک بار پھر بازارِکوفہ منظر تاریخ کی نگاہوں کے سامنے تھا۔زینبؑ خاموش ہوئیں تو در و دیوار بولنے لگے۔رسولؐ کے ایک بوڑھے صحابی ابو برزہ اسلمی کھڑے ہوگئے اور چیخ پڑے یزید جس سرِاقدس کے ساتھ بے ادبی کر رہا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسولؐ اسے چوم رہے تھے۔ابو برزہ وہیں دربار میں شہید کر دیئے گئے۔کرسیاں چھوڑ کے لوگ کھڑے ہوگئے۔جگہ جگہ لوگوں کے رونے کی آواز بلند ہونے لگی۔لوگ یزید سے پوچھ رہے تھے کہ سچ بتا یہ کس کے کٹے ہوئے سر ہیں۔یہ کس کے اہل بیتؑ ہیں جنھیں غلاموں اور کنیزوں کی طرح لایا گیا ہے...... یہ بی بی کون ہیں جو ابھی بول رہی تھیں...... یزید کو بتانا پڑا یہ حسینؑ ابن فاطمہؑ بنت محمدؐ کا سر ہے......ان لوگوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی۔یہ زینبؑ بنتِ علیؑ ہیں۔بس پھر کیا تھا دربار یزید میں حشر برپا ہوگیا......لوگ کھلم کھلا یزید کو بُرا کہنے لگے۔پورا دربار ماتم کدہ بن گیا۔

ابی مخنف نے لکھا ہے ایک یہودی طبیب یزید کے سامنے آ گیا اس کا نام راس الجالوتؔ تھا اس وقت یزید شراب کے نشے میں مدہوش تھا۔یہودی طبیب نے پوچھا! یہ کس کا کٹا ہوا سر ہے اس نے جواب دیا کہ حسینؑ ابن علیؑ کا سر ہے۔یہودی طبیب نے سر پیٹ لیا اور کہا تجھے شرم نہیں آتی! مجھ میں اور حضرت داؤدؑ میں ایک سو بیالیس پشتوں کا فاصلہ ہے مگر یہودی اب بھی میرے خاک قدم کو تبرک سمجھتے ہیں تیرا یہ حال ہے کہ کل تک تیرا جو نبیؐ سامنے تھا آج اس کی اولادؑ کو قتل کر ڈالا۔ ان کی بیٹیوں کو کنیز بنانا چاہتا ہے۔لعنت ہو تجھ پر اور تیری حکومت پر۔یہ کہہ کے یہودی عالم آگے بڑھا اور سرِ حسینؑ سے مخاطب ہوا۔ **یا ابا عبد اللہ** سلام ہو آپؑ پر اپنے جدِّ بزرگوار کے سامنے میرے مسلمان ہونے کی گواہی دیجئے گا۔ **لا الہ اللہ محمد رسول اللہ**ؐ کہہ کے ماتم کرنے لگا۔یزید نے کہا اس کی گردن قطع کر دو۔ابھی جلاد اٹھا بھی نہیں تھا کہ ایک عیسائی جس کا نام جاثلیق تھا کھڑا ہوگیا اور بہ آواز بلند رو رو کے کہنے لگا یزید تجھ پر لعنت ہو تو نے اپنے نبیؐ کا گھر اجاڑ دیا پھر

سرِ حسینؑ سے مخاطب ہو کے کلمہ پڑھا دونوں شہید ہو گئے......جس وقت قافلہ دربار میں داخل ہوا تھا۔ایک شخص نے حضرت سکینہؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا، امیر! اس لڑکی کو میری کنیزی میں دے دینا۔مگر حضرت زینبؑ کی تقریر کے بعد اس نے اپنے اس ہاتھ کو جس سے سکینہ بنت حسینؑ کی طرف اشارہ کیا تھا اپنے ہاتھوں سے کاٹ کے پھینک دیا......کامل ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ اسی وقت یزید کی زوجہ ہند بنت عبداللہ ابن عامر جسے یزید بہت چاہتا تھا۔اپنی کمسن بیٹی کے ساتھ سر پیٹتی ہوئی نکلی۔سیدانیوں کا کھلا ہوا سر اور خون میں ڈوبا ہوا حسینؑ کا سر دیکھ کر چیخ اٹھی، اے یزید تجھ پر خدا اور رسولؐ کی لعنت۔آج سے نہ میں تیری زوجہ نہ تو میرا شوہر۔خدا غارت کرے تجھے، یہ کہہ کے روتی ہوئی باہر نکل گئی......دربار کا عجب عالم تھا ایسا لگتا تھا کہ دربار یزید زینب کبریٰؑ کی حکومت میں ہے اور اس وقت ثانی زہراؑ نے شعر پڑھا۔

انا دیک یا جداہ یا خیر مرسل حبیبک مقتول و نسلک ضائع

(نانا میں آپ کو پکارتی رہی اے خیر المرسلین، آپ کا محبوب بیٹا قتل کر دیا گیا۔آپ کی نسل ضائع کر دی گئی)

ابی مخنفؒ کے بقول دربار اور صحن مسجد عورتوں، بچوں اور مردوں سے ٹڈیوں کی طرح بھرا ہوا تھا۔لوگ چیخیں مار کے رونے لگے۔عورتوں نے اسیرانِ اہل بیتؑ کو اپنے حلقے میں لے لیا......زینبؑ خاموش تھیں مگر زمین و آسمان رو رہے تھے۔

بظاہر زینبؑ قیدی تھیں مگر یزید کا پورا دربار حقیقتاً زینبؑ کے ارادہ کا اسیر تھا......خطیب ربانی اور نقیب رحمانی کی بیٹی نے اس وقت کی سب سے بڑی حکومت کو اس کی تمام طاقت و غرور کے ساتھ ذلت کے گڑھے میں دفن کر دیا۔

یزید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔گھبرا کے اپنے درباری خطیب سے کہا کہ منبر پہ جائے اور اہلبیت پیغمبرؐ کو برا بھلا کہے۔خطیب گیا اور حسب دستور مولائے متقیانؑ پر سب و شتم کرنے لگا۔مگر کوئی سننے کے لئے تیار نہیں ہوا کیونکہ مجمع کے دل و دماغ میں زینب کبریٰؑ کی آواز

گونج رہی تھی۔خطیب ناکام ہوکے منبر سے اتر آیا کہ ایک بار زنجیروں کی جھنکار کے ساتھ سید سجادؑ یزید سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ!

میں وہ باتیں کہنا چاہتا ہوں جن سے اللہ ورسولؐ راضی ہوں......

یزید اجازت نہیں دے رہا تھا مگر مجمع نے شور مچایا کہ ہم اس مظلوم باپ کے مظلوم بیٹے کی باتیں ضرور سنیں گے۔

سید سجادؑ ہاتھوں میں زنجیر سنبھالے منبر پر کھڑے ہوگئے۔ ثانی زہراؑ کا بنایا ہوا ماحول اہل دربار کو اپنا قیدی بنائے ہوئے تھا......جس وقت امامؑ نے کہا! یا ایہاالناس!! ایسی خاموشی چھا گئی جیسے لوگوں نے سانسیں روک لی ہوں۔سید سجادؑ کی آواز گونجتی رہی۔ جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے......میں بیٹا ہوں حلِّ وحرم کا، میں بیٹا ہوں صفا ومروہ کا، میں بیٹا ہوں حسینؑ ابن علیؑ کا، میں بیٹا ہوں فاطمہ زہراؑ کا، میں بیٹا ہوں خدیجۃ الکبریٰؑ کا، میں بیٹا ہوں اس پیغمبرؐ کا جس نے فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی، میں بیٹا ہوں اس امامؑ کا جس کا سر پشت گردن سے کاٹا گیا۔ جسے پیاسا شہید کیا گیا......الخ

ہر طرف گیرہ وبکا کا شور بلند تھا۔''روضۃ الشہداء'' نے لکھا ہے۔

جس وقت سید الساجدینؑ ''انا بن'' کہتے تھے سارا دمشق چیخ پڑتا تھا......امامؑ کو روکنے کے لئے یزید نے موذن کو اذان کہنے کا حکم دیا۔امامؑ خاموش رہے مگر جیسے ہی موذن نے کہا **اشھد ان محمد رسول اللہؐ**۔امامؑ یزید سے مخاطب ہوئے! یزید یہ تیرے جد کا نام ہے یا میرے جد کا......؟

وہ جنگ جو برسوں پہلے مدینے میں شروع ہوئی تھی یہ اس کا اختتام تھا اور اس پر فتح مبین کی آخری مہر لگانے والی تھیں زینب کبریٰؑ......حسینؑ نے کربلا میں اسلام کو حکومت کے شکنجے سے باہر نکال لیا تھا......زینبؑ اور سید سجادؑ نے اس نظام ہی کو زیر زمین دفن کر دیا جس نے یزید کو پال پوس کے بڑا کیا تھا۔

ابواسحاق کی روایت ہے کہ لوگ کھڑے ہو کے سر و سینہ پیٹ رہے تھے۔ واحسیناؑ وامحمداؐ کی آوازیں بلند تھیں۔ شام کی عورتیں رو رو کے سیدانیوں کی کلائیوں سے رسیاں کھول رہی تھیں۔ اب یزید کے لئے کوئی راہِ فرار نہیں تھی۔ بقول ''شہید اعظم'' یزید نے خود سید الساجدینؑ کا طوق اور بیڑیاں کٹوائیں......ابواسحاق کی روایت ہے کہ ظالم مجمع سے اس قدر خوف زدہ ہوا کہ چیخ چیخ کے کہنے لگا بتاؤ حسینؑ کو کس نے قتل کیا؟ حسینؑ کو جس نے قتل کیا اس پر خدا کی لعنت۔ پھر حکم دیا کہ جو حسینؑ اور اولادِ رسولؐ کا سر لائے ہیں انھیں حاضر کیا جائے۔ جس وقت سر حاضر ہوئے تو وہ ایک ایک سے پوچھتا تھا کہ بتاؤ حسینؑ کو کس نے شہید کیا۔ سب یہی کہتے تھے خدا اس پر لعنت کرے جس نے حسینؑ کو شہید کیا۔ شمر، حرملہ، خولی سب موجود تھے۔ سب یہی کہہ کے پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ خدا لعنت کرے اس پر جس نے حسینؑ کو شہید کیا ہو......بس ایک بار حصین بن نمیر جو کربلا میں موجود تھا کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اگر اجازت ہو تو قاتل کا صحیح صحیح پتہ بتا دوں! یزید نے کہا کہ اجازت ہے۔ اس نے کہا حسینؑ کا قاتل وہ شخص ہے جس نے یہ جھنڈے نصب کرائے ہیں۔ مال خرچ کیا۔ لشکر تیار کرائے ہیں اور خطوط بھیج کے کسی کو ڈرایا کسی کو ترغیب دی ہے ......اور وہ کوئی دوسرا تو نہیں تو ہے یزید! یہ سن کر یزید محل سرا کی طرف بھاگا جس طشت میں سرِ حسینؑ رکھا تھا اس کے سامنے کھڑے ہو کے سر پیٹتا تھا اور کہتا تھا! ہائے مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔

اہل بیتؑ کو کبھی ایسے تہہ خانے میں رکھا گیا جہاں نہ روشنی پہونچتی تھی نہ ہوا۔ اور کبھی شہر سے دور ایسی چہار دیواری میں قید کیا گیا جہاں نہ دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ تھا نہ شب کی اوس سے حفاظت کے لئے کوئی چھت۔ تا کہ لوگوں تک ان کی آواز نہ پہونچ سکے اور لوگ اہلبیت رسولؐ سے رابطہ نہ قائم کر سکیں۔ مگر ہر جگہ جم غفیر جمع ہو جاتا اور گریہ وزاری کرتا تھا۔ جنھیں ہٹانے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

یزید کو جلد ہی یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اب تشدد اور طاقت کے استعمال سے کام نہیں چل سکتا۔ اہل

بیتؑ کو قید خانے سے نکال کے ایک مکان دیا گیا۔ دمشق کی عورتیں سوگواروں کی صورت میں بارگاہِ زینبؑ میں تعزیت پیش کرنے آنے لگیں۔غم حسینؑ کو آزادی ملی، شام کا ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔

اسے اہلبیت پیغمبرؐ کو حکم رہائی دینا پڑا۔ زینبؑ کی رہائی صرف زینبؑ کی رہائی نہیں تھی۔ بلکہ انسانیت کی اعلیٰ قدروں کی رہائی تھی، ضمیر انسانی کی رہائی تھی، غیرتیں رہا ہوئیں، ہمیتیں آزاد ہوئیں، فکریں آزاد ہوئیں۔ حوصلے آزاد ہوئے۔ قوتِ اظہار کی بندشیں ٹوٹیں، سیرت وکردار کو آزادی ملی...... یہ قافلہ آزادی اسلام تھا جو شام سے کربلا کی طرف لوٹ رہا تھا...... زینبؑ کی کلائیوں میں رسیوں کے نشان اور سیدالساجدینؑ کے گلے میں طوق کا نشان آزادی ضمیر انسانی کا پرچم بنا ہوا تھا۔

کہاں ہیں ماہرین سیاست، کہاں ہیں کربلا کو دوشہزادوں کی جنگ کہنے والے۔ کہاں ہیں اموی سیاست کے پالیسی ساز......آئیں اور دیکھیں کہ کیسے تاریخ بدل دی جاتی ہے۔ کہاں ہیں تاریخ کا مطالعہ کرنے والے آئیں اور دیکھیں کہ انقلاب کسے کہتے ہیں۔ عہد آفرینی کیسے کی جاتی ہیں۔ نئے دماغ کیسے ڈھالے جاتے ہیں، نئے دل کیسے بنائے جاتے ہیں۔

قارئین کرام میں نے پچھلے صفحات میں لکھا ہے۔ زینب کبریٰ نے ایک نئے عہد کی تخلیق کی ہے ایک نیاز مانہ عالم وجود میں لائی ہیں۔ لوگوں کے نفسیات اور لوگوں کے مزاجوں کو بدل دیا۔ یہ نہ شاعری ہے نہ تخیل پردازی ہے۔ یہ وہ زمینی حقائق ہیں جسے تاریخ کی کھلی نگاہوں نے پوری تفصیل سے دیکھا بھی ہے اور قلم بند بھی کر لیا ہے۔

ذرا تاریخ عالم کا مطالعہ کیجئے! ایک بار نہیں بار بار مطالعہ کیجئے اور پھر انصاف سے بتایئے کہ تاریخ کے کسی دور میں دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا منظر سامنے آیا ہے کہ ایک کمزور عورت جس کے بازو بندھے ہوں کلائیاں رسن بستہ ہوں۔ کنیزوں کی طرح اسیر ہو۔ جس کے سارے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے چند گھنٹوں میں ذبح کر ڈالے گئے ہوں۔ جس کا گھر لوٹ لیا گیا ہو اور

دوسرے دن رورو کے جان دینے کے بجائے وہ اٹھی ہوا اور اپنی نگاہوں کی جنبش اور مقدس ہونٹوں کی حرکت سے بازاروں، شہروں، درباروں اور ساری بستیوں کے دل و دماغ پر قبضہ کرلیا ہوا اور ایک طاقتور حکومت حسرت سے دیکھتی رہ جائے۔

کہاں ہیں ماہرین سیاست؟ کہاں ہیں پالیسی ساز؟ کہاں ہیں تاریخ کا مطالعہ کرنے والے؟ آئیں اور دیکھیں ۔۔۔۔۔انقلاب کسے کہتے ہیں۔۔۔۔۔تاریخ کیسے بدلی جاتی ہے۔عہد آفرینی کیسے کی جاتی ہے۔نئے دماغ کیسے ڈھال دیئے جاتے ہیں اور نئے مزاج کیسے بدل دیئے جاتے ہیں؟ یہ وہی لوگ تو ہیں کہ برہنہ تلوار دیکھ کے جن کا دم نکل جاتا ہے...... وہی مجمع تو ہے جو موت کے ڈر سے مسلمؑ بن عقیلؑ کو یک وتنہا چھوڑ کے گھروں میں چھپ کے بیٹھ گیا تھا......ایک مجبور و بے کس اور رسن بستہ زینبؑ نے لوگوں کے دلوں سے موت کا خوف باہر نکال دیا۔

ابھی ابھی آپ نے دربار کا منظر دیکھا یہ وہی لوگ تو ہیں اور انھیں کی اولادیں تو ہیں جو حاکم وقت کے سامنے سانس لینے سے بھی ڈرتے تھے۔کسی میں ہمت نہیں تھی کہ کسی مظلوم کے حق میں آواز بلند کردے......مگر اللہ! زینبؑ نے کیسا مزاج بدل دیا تھا...... مال وزر کے حریص مال وزر ٹھکرا رہے تھے۔جان کے ڈر سے چھپ کے بیٹھنے والے حرف حق بلند کر کے جان دے رہے تھے۔

جب قافلہ کربلا سے چلا تھا تو لوگ چیخ رہے تھے کہ میری سپر زر و جواہر سے بھر دو۔میں نے فرزند رسولؐ کو قتل کیا ہے۔میرا گھر مال و دولت سے لبریز کردو میں نے فاطمہؑ کا گھر اجاڑا ہے۔درہم و دینار میرے دامن میں انڈیل دو میں نے شبیہ پیغمبرؐ کو نیزہ لگایا ہے۔یہ کیا ہوا۔ دربار یزید میں جہاں انعام کی آرزو تھی وہاں پہونچ کے سب کہہ رہے ہیں حسینؑ کے قاتل پر لعنت، یہ کیا ہوا۔اس دور کے نفسیات کو کس نے بدل دیا۔زندہ باد اے دنیا کے سب سے بڑے

انقلاب کی خالق ۔سلام ہو آپؑ پر اے ثانی زہرؑا پچاس سال کا بنایا ہوا حرص وہوس کا ماحول آپؑ نے چند لمحوں میں بدل کے رکھ دیا۔

الغرض زینب کبریٰؑ نے ایک طرف موت کا خوف دلوں سے نکال دیا۔ دوسری طرف حرص دنیا کا طلسم توڑ دیا۔ مدینہ میں لوگوں نے یزید کے گورنر کو شہر سے باہر نکال دیا۔ابن زبیر نے مکے میں بغاوت کر دی۔ مختار ثقفیؒ نے کوفے پر قبضہ کرلیا۔ چار ہزار توابین اپنی اپنی بیبیوں کو طلاق دے کے جان دینے کے لئے نکل پڑے۔ کئی دن قبر حسینؑ پر گریہ وزاری کرتے رہے۔ پھر شام کی فوجوں سے ٹکرا کے اپنی جانیں دے دیں۔ کربلا کے بعد یزید زیادہ دن زندہ نہیں رہا،نیم پاگل ہو گیا۔شکار میں زیادہ وقت گزارتا تھا۔غلاموں اور مصاحبوں کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا کہ اکیلا ایک طرف نکل گیا پیاس لگی ،ایک دہقانی اپنے پیڑوں کو پانی دے رہا تھا کہ یزید ملعون اس کے قریب گیا اور کہا مجھے پانی پلا دے۔ میں خلیفہ وقت یزید ابن معاویہ ہوں۔بس اس کسان نے اس پانی کو پھینک دیا جو ہاتھ میں لیا تھا کہنے لگا تو وہی ہے جس نے چھ مہینے کے بچے کو بھی پیاسا شہید کیا۔ میں تجھے پانی نہیں پلا سکتا۔ چاہے میرا گھر اجڑ جائے۔ غصے میں یزید نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی ۔گھوڑا اچھلا یزید گر گیا پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا اس کے بدن کے سیکڑوں ٹکڑے ہو گئے اور واصل جہنم ہوا۔

ذرا علم سماجیات کے ماہرین بتائیں کہ ایک غریب کسان میں یہ حوصلہ کس نے پیدا کیا؟ زینبؑ نے جو انقلاب پیدا کیا تھا پھر ایک لمحے کے لئے بھی رک نہیں سکا۔کل بھی زندہ تھا اور آج بھی زندہ ہے۔ ظالموں کے بنائے ہوئے مقتل بھی آباد ہیں،حرف حق بلند کر کے جان دینے والے بھی موجود ہیں ۔اہل اقتدار کے خلاف آواز بلند کرنے والے بھی ہیں ۔نہ خلافت رہ گئی نہ بیعت مانگنے والے۔کوفے کے بازار میں اور شام کے دربار میں جو نوحہ وماتم کا سلسلہ زینبؑ نے شروع کیا تھا وہ آج تک جاری ہے۔ یہ زینبؑ کا عہد ہے۔ یہ زینبؑ کا زمانہ ہے یہ

زینبؑ کا دور ہے۔ ہر باضمیر انسان کے دل کی دھڑکنوں میں زینبؑ کی آواز اب بھی سنائی دے رہی ہے۔ یہ کروڑوں ماتم کرتے ہوئے عزادار، یہ کرہ ارض پر کروڑوں عزا خانے، یہ آنکھوں سے ابلنے والے آنسو گواہی دے رہے ہیں کہ یہ زینبؑ کا زمانہ ہے۔

یہ ساری دنیا میں ایک لمحے کے لئے بھی نہ رکنے والی نوحہ و ماتم کی آوازیں زینبؑ کی صدائے بازگشت ہیں جو فضائے عالم میں گونج رہی ہیں۔ زینبؑ اب بھی بول رہی ہیں اور گوش احساس رکھنے والے اسے سن رہے ہیں۔

زینبؑ شام سے رہا ہو کے ۲۰ صفر ۶۱ھ کو زائرین کا قافلہ لے کر کربلا پہونچی تھیں۔ یعنی شہادت حسینؑ کے چالیسویں دن اسی لئے اسے اربعین یعنی چالیسواں دن کہتے ہیں۔ پھر اس کے بعد آج تک ایک لمحے کے لئے بھی زائرین کا سلسلہ ٹوٹا نہیں۔ ۲۰ صفر یعنی شہادتِ حسینؑ کا چالیسواں دن ہماری تاریخ کا اہم ترین عبادت کا دن ہے۔ معصومینؑ سے اس دن کے لئے متعدد دعائیں اور زیارتیں ماثور ہیں۔ جس پر ہماری قوم ۶۱ھ سے لے کے آج تک عمل پیرا ہے۔

زینبؑ دنیا سے کب رخصت ہوئیں اس میں روایات کا اختلاف ہے مگر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ زینبؑ بار بار درجہ شہادت پر فائز ہوتی رہیں، جب عباسؑ شہید ہوئے زینبؑ کو منزل شہادت سے گزرنا پڑا، جب علی اکبرؑ شہید ہوئے زینبؑ شہید ہوئیں، جب عونؑ ومحمدؑ کی لاشیں آئیں زینبؑ درجہ شہادت سے گزر گئیں۔ جب حسینؑ شہید کئے گئے زینبؑ بھی شہید ہو گئیں۔ زینبؑ کربلا میں بار بار شہید ہوتی رہیں۔ علی اصغرؑ کی لاش آئی زینبؑ شہید ہوئیں۔ سر کھل جانا زینبؑ کے لئے درجہ شہادت پر فائز ہونے سے کم نہیں۔ کوئی شہید راہ الٰہی، جادہ شہادت میں زینبؑ سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ زینبؑ تو کربلا ہی میں شہید ہو چکی تھیں یہ تو مقصد کی روح تھی جو کوفہ وشام کو فتح کر رہی تھی۔ زینبؑ کو عصر عاشور سے پہلے کسی نے نہیں

دیکھا تھا۔

شام سے رہائی کے بعد پھر زینبؑ کو کسی نے نہیں دیکھا ایسا لگتا ہے کہ زینبؑ کو اللہ نے جس ذمہ داری کو ادا کرنے کیلیئے مبعوث فرمایا تھا اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے بعد خاموشی سے مالک کی بارگاہ میں پہنچ گئیں۔ کام پورا ہو چکا تھا کیوں زندہ رہتیں اور کس لئے زندہ رہتی ۔زینبؑ کے بعد پھر کسی زینبؑ کی ضرورت نہیں تھی۔اس میں بھی اختلاف ہے کہ ثانی زہرؑا کا مزار مقدس کہاں ہے۔کہیں بھی ہو مگر ہر شریف اور باضمیر انسان کا دل زینبؑ کا مزار ہے۔ زینبؑ جہاں دفن ہوئی ہوں مگر اپنی ماں کے پہلو میں ہونگی اس کے علاوہ کوئی جگہ زینبؑ کے شایان شان نہیں۔شام ہو نجف ،بقیع ہو یا کربلا جہاں بھی آپ جائیں گے آپ کو زینبؑ دکھائی دیں گی۔ذرا دیدہ بصیرت سے دیکھیے ہر مجلس حسینؑ کے پس منظر میں کھڑی ہوئی زینبؑ آپ کو دکھائی دے رہی ہونگی۔ اسلام مٹ گیا ہوتا اگر کربلا نہ ہوتی اور کربلا کربلا ہی میں دفن ہوگئی ہوتی اگر زینب کبریٰؑ نہ ہوتی۔

شہزادی!! ہم غریبوں کے پاس آنسو کے علاوہ کوئی نذرانہ نہیں جسے آپؑ کی خدمت میں پیش کرسکیں۔

اے فاتح اعظم کی بیٹی ،اے کائنات کی فاتح اعظم زینب کبریٰؑ ۔اے رسن بستہ شہزادی ،اے فاتح کوفہ وشام......میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں آپ کے کردار کی عظمت قابل ادراک بنا سکوں بس ایک شکست خوردہ قلم کا سلام قبول کر لیجئے!

بعد زہراؑ تو ہوئیں ثانی زہراؑ زینب۔

بعد زینبؑ کوئی پھر ثانی زینبؑ نہ ہو ئی۔